مکتوب

بنام

جناب مولانا محمد سعد کاندھلوی
مرکز نظام الدین دہلی

منجانب

حضرت مولانا محمد زید مظاہری مدظلہ
استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر
مکتبہ مدنیہ دیوبند

جاننا چاہئے کہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے اہل وہی لوگ ہیں جو دین کو بخوبی سمجھے ہوئے ہیں اور جو دین کی حقیقت ہی نہیں جانتے وہ اس کے اہل نہیں ہیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو خود بھی برباد ہوں گے اور دوسروں کو بھی تباہ کریں گے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہر شخص نے دعوت وتبلیغ کو پیشہ بنا رکھا ہے، اور ہر شخص واعظ ومصلح بن رہا ہے، کیونکہ ان لوگوں سے دین کو بجائے فائدے کے نقصان ہی پہنچتا ہے۔ جس شخص کو تبلیغ کا شوق ہو اس کا فرض ہے کہ وہ خود علم حاصل کرے تاکہ وہ اس کو دوسروں تک بلا تغیر وتبدل صحیح طور پر پہنچا سکے، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے کہ وہ کسی دین دار عالم کے ماتحت اور اس کی ہدایتوں کا پابند رہ کر اس کام کو کرے۔ جہل وخودرائی اور غلط جذبات کے ماتحت ہو کر اس کام کو کرنا دین کے لئے بھی خطرناک ہے اور مسلمانوں کے لئے بھی اور خود اس کے لئے بھی۔

(تفسیر حل القرآن از حضرت مولانا حبیب احمد صدیقی کیرانویؒ)

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

منجانب: محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکرم ومحترم جناب حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

مرکز نظام الدین دہلی۔

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے، تمام مکارہ ومصائب سے محفوظ فرمائے، آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ مجھے آپ سے اللہ واسطے تعلق ہے، دل میں آپ کی محبت ہے، آپ کی محبوبیت ومقبولیت قابل رشک ہے، امت کے بڑے حلقہ کو آپ پر اعتماد ہے، لاکھوں کے مجمع میں آپ کے جو بیانات ہوتے ہیں الحمدللہ امت کو اس سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے، آپ جو بات ارشاد فرماتے ہیں لاکھوں کا مجمع اس کو بہت غور سے سنتا ہے، اخذ کرتا ہے اور اس کو نقل کرتا ہے، امت کے بڑے حلقہ میں وہ باتیں چلنے لگتی ہیں اور اسی کے مطابق لوگوں کا ذہن بنتا ہے اور بن رہا ہے، اس لحاظ سے آنجناب کے لئے ایک طرف اگر یہ بات قابل شکر ہے تو دوسری طرف بڑی ذمہ داری اور نہایت قابل احتیاط بھی ہے، خوانخواستہ اگر کوئی نامناسب بات جو راہ حق، راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہو یا غلو کے دائرہ میں آتی ہو، یا بات تو صحیح ہو لیکن مجموعی طور پر آثار ونتائج کے اعتبار سے امت کے لئے مضر ہو تو اس سے احتیاط لازم ہے۔ دین اسلام اور پوری امت ہمارے لئے امانت ہے اس کی حفاظت ورعایت ہم سب پر لازم ہے۔ آپ کے بعض بیانات نیز مرکز نظام الدین کے بعض دیگر ذمہ داروں کے بیانات سننے کا احقر کو موقع ملا، اعظم گڑھ کے اجتماع میں بھی اور ابھی قریب میں ہتھورا باندہ کے اجتماع میں بھی، بہت غور سے سنا بھی اور لکھا بھی، ان کے سننے کے بعد بعض باتوں میں مجھے کھٹک پیدا ہوئی اور سخت تشویش اور خلجان ہوا، نہ صرف مجھ کو بلکہ متعدد کبار اہل علم کو بھی، پھر وقت کے اکابر کے سامنے وہ باتیں عرض کی گئیں وہ بھی فکرمند ہوئے، اسلئے بڑوں کے مشورہ کے بعد انہیں خلجانات کو عرض کرنا چاہتا ہوں، الدین النصیحۃ کے تحت

ایسی بعض باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے اہل علم حضرات کو تشویش ہے اور ان کی وجہ سے امت کو غلط پیغام پہنچنے کا خطرہ ہے، یا ان کے نزدیک وہ باتیں راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں یا آثار ونتائج کے لحاظ سے وہ غیر مفید اور مضر ہیں، یا غلو کے دائرہ میں آتی ہیں، ایسی چند باتیں آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر میری فہم کا قصور ہے تو میری اصلاح فرمائیں اور مجھے مطمئن فرمائیں اور مجھے معاف فرمائیں، اور اگر واقع میں یہ امور قابل توجہ، قابل اصلاح ہیں تو ان کی طرف توجہ فرمائیں، آئندہ احتیاط فرمائیں، اور اب تک جو باتیں امت تک پہنچ چکی ہیں اس کے تدارک وتلافی کی جو صورت آپ کے نزدیک بہتر ہو اس کو اختیار فرمائیں۔

اب وہ چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہتھورا باندہ کے اجتماع کے موقع پر عام مجمع کے اندر آنجناب نے اپنے وعظ میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا، جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر خود قوم اور جماعت کو چھوڑ کر حق تعالیٰ سے مناجات کے لئے خلوت وعزلت میں چلے گئے، اس کے بعد قوم کا یہ حال ہوا کہ پانچ لاکھ ۸۸/ہزار بنی اسرائیل گمراہ ہوگئے (مرتد ہوگئے) اسی سیاق میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اصل تو موسیٰ علیہ السلام تھے، وہی اصل ذمہ دار تھے، اصل کو رہنا چاہئے، ہارون علیہ السلام تو صرف معاون اور شریک تھے، اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے آنجناب نے یہ آیات قرآنیہ تلاوت فرمائیں۔ وما اعجلک عن قومک یموسی ٥ الخ، واجعل لی وزیراً من اھلی ٥ ھارون اخی ٥ اشدد بہٖ ازری ٥ واشرکہ فی امری ٥

اس پورے مضمون کے ذریعہ اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی اور یہی لوگوں نے سمجھا بھی، کہ جماعت کو چھوڑ کر خلوت وعزلت اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کے نتیجہ میں (خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو) اتنی بڑی گمراہی سامنے آئی کہ پانچ لاکھ ۸۸/ہزار بنی اسرائیلی گمراہ ہوگئے، اس مضمون کو مدلل طور پر ایسے دل نشیں انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا کہ لوگوں نے پورے

طور پر اس کو اخذ کیا اور دلوں پر اس کا جو اثر ہونا چاہئے وہ اثر بھی ہوا۔

تجزیاتی طور پر اگر دیکھا جائے تو مذکورہ بالا تمہید اور بیان کے یہ نتائج سامنے آتے ہیں۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بڑی خطا اور چوک ہوئی اور وہ اس ذنب وامر منکر کے مرتکب ہوئے کہ جماعت اور قوم کو چھوڑ کر حق تعالیٰ سے مناجات کے لئے خلوت میں چلے گئے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنانا بھی نامناسب اور ناکافی ہوا، کیونکہ اصل تو موسیٰ علیہ السلام تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام تو محض شریک اور وزیر تھے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ فکر اور یہ عمل بھی نامناسب تھا کہ جماعت اور قوم کے مقابلہ میں خلوت وعزلت کو ترجیح دی۔

(۴) خلوت وعزلت اختیار کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کی گمراہیاں وجود میں آتی ہیں۔

(۵) نیز لازمی طور پر یہ ذہن بھی بنتا ہے کہ خلوت وگوشہ نشینی بالفاظ دیگر اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے لئے خلوت وخانقاہ کا نظام غیر مفید، غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔

(۶) اسی طرح لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ سامعین عوام الناس جب اس واقعہ کو بیان کریں گے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو غلط قرار دے کر ان کے شان میں گستاخی کے مرتکب ہوں گے، حقائق اور دلائل کی روشنی میں اگر اس مضمون کا جائزہ لیا جائے تو بھی یہ پورا مضمون ناقابل تسلیم ہے۔ جس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عصمت انبیاء اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے، یعنی ہمارے عقیدہ میں یہ بات شامل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا کوئی اور نبی، وہ کسی معصیت کے مرتکب نہیں ہو سکتے، اور اگر کسی ایسی بات کا صدور ہوا ہو جو بظاہر معصیت اور امر منکر محسوس ہوتی ہو تو وہ حقیقی معصیت نہیں ہوتی اس میں وہ معذور بھی ہوتے ہیں اور ماجور بھی، اسی کے ساتھ ان کی خطاء اجتہادی کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ فوراً من جانب اللہ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اولاً تو یہی محل کلام ہے کہ واقعۃً وہ قوم کو چھوڑ کر تنہا چل دیئے تھے یا ایک جماعت کو ساتھ لے کر گئے تھے، بعض مفسرین کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر قوم کے ستر لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، امام قرطبی نے سب سے پہلا قول یہی ذکر فرمایا ہے۔

قیل عنیٰ با لقوم جمیع بنی اسرائیل فعلیٰ ھذا قیل استخلف ھارون علی بنی اسرایل وخرج معه بسبعین رجلاً للمیقات (قرطبی ص۱۵۵ ج۱۱ پارہ۱۶ سورہ طہٰ)

پھر وہ الزام یا مدعیٰ کیسے ثابت ہوا جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ قوم کو چھوڑ کر خلوت میں چلے گئے۔

(۲) دوسرے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو چھوڑ کر خلوت اختیار فرمائی جس کا مقصد یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی مزید خوشنودی ورضا حاصل ہوجائے **عجلت الیک رب لترضی، قال ابن کثیر ای لتزدادعنی رضاً۔**

(ابن کثیر ص:۲۱۷ ج:۲)

تو نہ تو یہ مقصد غلط تھا اور نہ ہی یہ طریقہ غلط تھا، چنانچہ اسی موقع پر امام قرطبیؒ نے اسی واقعہ کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرط شوق میں جلدی چلے جانے کو بطور تحسین کے ذکر فرمایا ہے، اور نظیر وتائید اور تمثیل کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی بارش سے فرط شوق ومحبت میں نہانے کا واقعہ اور دیگر واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ **وعجلت الیک رب لترضیٰ قال شوقاً وکان علیه الصلوٰۃ والسلام اذاامطر السماء خلع ثیابهٗ وتجرد حتی یصیبه المطر ویقول انه حدیث. عھد بربی ، فھذا من الرسول صلی الله علیه وسلم وممن بعده من قبل الشوق** (قرطبی ص:۱۹۶ ج:۱۱ طبع جدید)

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ طریقہ بھی غلط نہ تھا، کیونکہ اگر یہ آپ کی خطاء اجتہادی بھی ہوتی تو اس کی اصلاح وتنبیہ کی جاتی، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان **وما اعجلک عن قومک یموسیٰ** بطور عتاب وتنبیہ کے ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اگرچہ بعض علماء نے اس انداز کی بات فرمائی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ آپ کی خطاء اجتہادی بھی نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

بطور عتاب کے نہ تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بطور رحمت واکرام اور تسکین قلب کے لئے تھا۔

قال ابن عباس رضی الله عنه کان الله عالماً ولکن قال مااعجلک عن قومک رحمة لموسیٰ واکراماً له بھذا القول وتسکیناً بقلبه ورقة علیه.

(قرطبی ص:۱۵۵، ج:۱۱)

رہ گیا بنی اسرائیل کا گمراہ ہوجانا (جتنی تعداد میں بھی ہو، ۵/لاکھ ۸۸/ہزار کی تعداد کہاں سے ثابت ہے؟) تو یہ حق تعالیٰ کی مشیت سے ہوا، یہ اس کا تقدیری وتکوینی امر ہے، بندہ کا اس میں کوئی دخل نہیں نبی ہو یا غیر نبی، بندہ صرف تشریع کا مکلّف ہے، اگر خلاف تشریع اس نے کوئی کام نہیں کیا تو اس کو مورد الزام قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا اگرچہ ساری دنیا گمراہ ہوجائے یا کچھ بھی ہوجائے بشرطیکہ اس نے تشریع کے خلاف کوئی کام نہ کیا ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اصل تھے، ہارون علیہ السلام تو محض شریک ووزیر تھے، لہٰذا اصل ذمہ دار یعنی موسیٰ علیہ السلام کو رہنا چاہئے تھا، یہ بات نا قابل تسلیم اور خلاف واقعہ ہے، حضرت ہارون علیہ السلام وزیر اور شریک ہونے کے ساتھ نبی بھی تھے چنانچہ اسی واقعہ میں اور انہیں آیات کے ضمن میں قرطبی وابن کثیر نے تصریح فرمائی ہے۔ **فھارون علیه السلام نبیٌّ شریف کریمٌ علی الله لهٗ وجاھة وجلالة.**

(ابن کثیر ص۲۴۳ ج۲)

(۴) چوتھے یہ نقطۂ نظر اور یہ فکر بھی قطعاً صحیح نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر خلوت کو اختیار کیا، ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا جس کے نتیجہ میں گمراہی وجود میں آئی، اور اس بیان کا اصل مقصد ہی یہی تھا، لیکن یہ فکر اور بات قطعاً صحیح نہیں، کیونکہ ہمارے علماء وفقہاء نے تو خلافت ونیابت کی صحت وجواز اور دلیل میں اس واقعہ اور آیت کو ذکر فرمایا ہے۔ **وقال موسیٰ حین اراد المضی للمناجاۃ والمغیب فیھا لاخیه ھارون کن خلیفتی فدلّ علی النیابة** (قرطبی ص:۲۰۷، ج:۷) تو پھر اس کو کیوں غلط کہا جاسکتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور فرمایا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو خلیفہ بنایا تھا کیا تم اس سے خوش نہیں کہ میں بھی تم کو اسی طرح (اس غزوہ میں) اپنا نائب بنادوں؟ مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں مذکور ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے" وقال موسیٰ حین ارادہ المضی للمناجاة والمغیب فیھا لاخیه ھارون کن خلیفتی. وفی صحیح مسلم عن سعدبن ابی وقاص ؓ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لعلی حین خلفه فی بعض مغازیه اماترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی.

(تفسیر قرطبی ص:۱۷۶، ج:۷)

خلافت ونیابت کے تعلق سے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کو غلط کہا جائے تو پھر نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بھی کیا غلط کہا جائے گا؟ کیوں کہ آپ نے اپنی خلافت کو حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی خلافت کے واقعہ کو نظیر اور مثال بنا کر ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح انہوں نے کیا تھا میں بھی ایسا کرتا ہوں، تو اگر موسیٰ علیہ السلام کا عمل خلاف احتیاط ونامناسب یا غلط تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متعلق آنجناب کیا کہیں گے؟

(۵) اور بالفرض اگر ساری باتیں صحیح تسلیم بھی کرلی جائیں تب بھی کسی واقعہ کو اس طور پر بیان کرنا جس کا اثر یہ ہو اور جس کے نتیجہ میں خلوت وعزلت اور گوشہ نشینی وخانقاہی کام سے دوری وبیزاری پیدا ہوتی ہو، یا اس کام کا غیر مفید اور مضر ہونے کا ذہن بنتا ہو یہ انداز صحیح نہیں، کیونکہ دعوت وتبلیغ کی طرح تزکیہ نفس بھی نبیوں والا کام ہے اور فرض ہے، جیسا کہ آیت یعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم الآیة سے معلوم ہوتا ہے، البتہ اس کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں خلوت وخانقاہ بھی اس کا متوارث طریقہ ہے جس کو خیر القرون سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور حضرت گنگوہیؒ، حضرت رائپوریؒ، حضرت تھانویؒ وغیرہم نے اختیار کیا ہے، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کی

دینی دعوت" کے مقدمہ میں اس کی کچھ تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ لہٰذا ایسا اندازہ بیان اختیار کرنا جس سے دعوت تبلیغ کے مقابلہ میں اس کام کی (جو واقع میں نبیوں والا کام ہے) بے وقعتی اور اس کام کے کرنے والوں سے دوری وبیزاری کا ذہن بنتا ہو تو یہ بات خود بے دینی کی اور نہایت افسوسناک اور قابل اصلاح ہوگی، بلکہ مروجہ تبلیغی جماعت کے مجوز ومحرک اول کی واضح ہدایات کے صریح خلاف ہوگی۔

کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ملفوظات ومکتوبات (جن سے مستفید ہونے اور مطالعہ کرنے کی ہدایت بھی کی جاتی ہے ان) میں کثرت سے یہ چیز موجود ہے کہ اہل اللہ ومشائخ واہل خانقاہ سے ربط رکھا جائے، ان کی صحبت سے مستفید ہوا جائے، ان کی خدمت میں جا کر ان سے ذکر سیکھا جائے، چنانچہ کارکنانِ میوات (خاص اہل تبلیغ) کے نام حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے خاص طور پر ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ:

(۱) "چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں" (اس کے بعد پندرہ ہدایتیں تحریر فرمائی ہیں جو تمام تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے اہم ہدایات اور مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جو (کارکنانِ تبلیغ کسی شیخ سے) بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو ذکر بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں؟ جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائپور جا کر (حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری کی خدمت اور ان کی خانقاہ میں) گذاریں۔"

(مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۱۳۷، مرتبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(۲) ملفوظات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ بھی ضروری ہے کہ علم وذکر میں مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کی زیر ہدایت ونگرانی ہو، انبیاء علیہم السلام کا علم وذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت

تھا، اور صحابہ کرام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم وذکر لیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پوری نگرانی فرماتے تھے اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے اپنے بڑوں سے علم وذکر لیا اور ان کی نگرانی ورہنمائی میں تکمیل کی، ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں (اور مشائخ) کی نگرانی کے محتاج ہیں، ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۱۱۱، ملفوظ:۱۳۴)

(۳) ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

میرے نزدیک جو کام چلنے کے لئے اس وقت ضرورت ہے وہ مشائخ طریقت وعلماء شریعت، ماہرین سیاست کے چند ایسے حضرات کی جماعت کے مشاورت کے ماتحت ہونے کی ضرورت ہے، ایک نظم کے ساتھ حسب ضرورت مشاورت کا انعقاد خاطر خواہ مداوِم رہے، اور عملی چیز سب اس کے ماتحت ہو، سوایک تو اول ایسی مجلس کے منعقد ہوجانے کی ضرورت ہے۔ (مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۱۴۴)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی مذکورہ بالا کلیدی ہدایات کے بعد یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ خلوت وعزلت اور گوشہ نشینی کا اہتمام یا خانقاہی نظام غیر مفید یا غیر ضروری اور مضر ہے جب کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ خود اس کے اہتمام کی تاکید فرمارہے ہیں اور پورے تبلیغی نظام کو ایسی مجلس مشاورت کے ماتحت انہیں کے مشورے سے چلنے کی نصیحت اور وصیت فرمارہے ہیں اور ایسی مجلس مشاورت کے انعقاد پر زور دے رہے ہیں جو مشائخ طریقت اور علماء شریعت وماہرین سیاست پر مشتمل ہو۔

اس پوری تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کرنا چاہئے کہ یہ بات کس حد تک درست اور مناسب ہوسکتی ہے اور لوگوں کے ذہن میں کیا اثر ڈالتی ہے کہ ''خلوت وعزلت کا جذبہ ہوگا تو لوگوں کو اپنے سے جوڑنے کا جذبہ پیدا ہوگا، اور دعوت کے کام میں لوگوں کو اللہ سے جوڑنے کا جذبہ پیدا ہوگا، اور خلوت اور گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں گمراہی اور ارتداد وجود میں آتا ہے۔

غور فرمایئے اس بات کا اثر مشائخ سے لے کر انبیاء تک پہنچتا ہے، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ہدایات کے بھی خلاف ذہن بنتا ہے۔

کیا یہ بات صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دعوت وتبلیغ کی کوتاہی کے نتیجہ میں ارتداد پھیل گیا؟

آنجناب نے دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور اس میں کوتاہی کی وجہ سے ہونے والے نقصان کو بیان فرمایا کہ دعوت وتبلیغ میں کوتاہی کے نتیجہ میں ارتداد پھیل جاتا ہے، پھر اس بات کو مضبوط اور مدلل کرنے کے لئے آنجناب نے واضح طور پر پورے وثوق سے ارشاد فرمایا کہ:

دعوت کا چھوٹ جانا ارتداد کا سبب ہے، مدینہ پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد آگیا، نبی گئے دعوت گئی، دین گیا، ارتداد آیا، پھر دعوت آئی اور جماعتیں جہاں جہاں روانہ ہوئیں، اسامہ کا لشکر جہاں جہاں گیا لوگ اسلام میں واپس آتے گئے۔

جناب والا کے ارشاد فرمودہ یہ جملے ''نبی گئے دعوت گئی ارتداد آیا'' نہایت محل اشکال ہیں، اس کی صحت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں لازمی طور پر اس کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ نبی کی وفات کے بعد خدانخواستہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے بھی فریضہ ادائے دعوت وتبلیغ میں کوتاہی کی، وہ کوتاہی جس درجہ کی بھی ہو اور جتنے وقت کے لئے بھی ہو، اس کوتاہی کے نتیجہ میں ارتداد پھیل گیا، اس میں صحابہ کرام پر کس قدر الزام عائد ہوتا ہے خود ہی غور کر لیا جائے، نہ صرف خلفاء راشدین بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے کہ خدانخواستہ آپ نے اپنے بعد ایسے خلفاء اور جانشین چھوڑے، جن کی پیروی کرنے کا حکم بھی آپ نے دیا اور آپ نے اپنے ایسے خلفاء پر اعتماد کر کے **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين** فرما کر پوری امت کو ان کی اتباع حکم دیا، جو خدانخواستہ ایسے نااہل ثابت ہوئے کہ نبی کے جاتے ہی انہوں نے دعوت وتبلیغ جیسے اہم فریضہ میں کوتاہی شروع کر دی، اور دعوت کا کام نبی کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا، جس کی وجہ سے ارتداد پھیل گیا۔

''نبی گئے دعوت گئی'' آخر وہ کونسی دعوت تھی جس کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور خلفاء راشدین نے اس میں کوتاہی کی، مسلم شریف میں کتاب الایمان میں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک حدیث میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ہر نبی کو کچھ حواری، انصار و اعوان دیتا ہے، جو اپنے نبی کی سنتوں کو لیتے اور ان کے امر کی پیروی کرتے ہیں پھر ان کے بعد ان حواریین کے ایسے خلفاء ہوتے ہیں جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یومرون، آگے ایسے ہی لوگوں سے جہاد کرنے کی بابت فرمایا گیا ہے، فمن جاھدھم بیدہٖ فھو مؤمن۔ (مسلم شریف، فتح الملہم ص:۲۰۶، ج:۱)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے افضل اور عمدہ حواری و اعوان کون لوگ ہیں؟ کیا ان کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ نبی کے جانے کے بعد انہوں نے فریضہ دعوت میں کوتاہی کی؟ بالفرض اگر کی تو کیا کوئی کہنے والا یہ جرأت بھی کرسکتا ہے کہ وہ نااہل خلفاء ثابت ہوئے جن کی بابت حدیث مذکور میں جہاد تک کرنے کو فرمایا گیا ہے۔ نعوذ باللہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد پھیلا لیکن کیا یہ ارتداد صحابہ اور خلفاء راشدین کی طرف سے دعوت میں کوتاہی کے نتیجہ میں تھا؟ اور کیا ارتداد ہمیشہ دعوت وتبلیغ کی کوتاہی کے نتیجہ میں ہی ہوا کرتا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا نعوذ باللہ کوئی یہ کہنے کی بھی جرأت کرسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبیلۂ عرینہ کے لوگ مدینہ پاک میں آئے اور اسلام میں داخل ہوئے، مدینہ پاک کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی، سخت بیمار ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک سے دور چرواہوں کے پاس ان کو بھیجا اور دودھ وغیرہ پینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ لوگ وہاں پہنچے اور سب شفایاب ہوگئے اور اس کے بعد سب مرتد بھی ہوگئے، چرواہوں کو قتل کرڈالا، پورا قصہ حدیث پاک کی کتابوں میں مذکور ہے۔

(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول مایو کل لحمہٗ ص:۱۱)

کیا یہاں بھی نعوذ باللہ یہ کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی تربیت میں کچھ کمی اور دعوت وتبلیغ میں کچھ کوتاہی ہوگئی ہوگی جس کے نتیجہ میں وہ مرتد ہوگئے۔ العیاذ باللہ۔

موٹی سی بات ہے کہ لوگوں کا جوق در جوق قبول اسلام ہو یا ارتداد، امت کی ترقی ہو یا

انحطاط، مدارس ومساجد کا قیام ہو یا انہدام، امتِ مسلمہ کی جان ومال کا تحفظ وبقاء ہو یا قتل عام، سب حق تعالیٰ کے تقدیری وتکوینی نظام اور اس کی مشیت کے تحت ہوتا ہے، بندوں سے اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں اور وہ اس سلسلہ میں قصوروار اور گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اس کے لئے ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں جن تشریعی امور واحکام کے وہ اس حال میں مکلّف ہیں اگر اس میں وہ کوتاہی کے مرتکب ہوں گے تو عند اللہ مجرم اور قصوروار ہوں گے ورنہ نہیں، اب دنیا میں جہاں اور جب، جتنے اور جیسے بھی انقلابات وتغیرات ہوں خواہ وہ ارتداد کی نوعیت کے ہوں یا دوسری نوعیت کے، اگر واقعۃً احکام شرعیہ پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں ایسا ہوا تو ہم مجرم ہوں گے ورنہ نہیں۔ یہ شرعی ضابطہ ہمیشہ سے ہے نبیوں کے لئے بھی اور قوموں کے لئے بھی، نبی گئے دعوت گئی ارتداد آیا...... یہ مضمون سخت محل اشکال ہے، سوال یہ ہے کہ ارتداد آیا تشریعی امور میں کوتاہی کے نتیجہ میں یا تکوینی امر کی وجہ سے؟ لیکن آنجناب نے جب خود ہی صراحت فرمادی کہ نبی گئے نبی کے ساتھ دعوت گئی تو مطلب یہ نکلا کہ خلفاء راشدین اور اجلّہ صحابہ کے دعوتی کام نہ کرنے کے نتیجہ میں ارتداد آیا، تو اس دعویٰ کی کیا دلیل اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ خلفاء راشدین نے دعوت میں کوتاہی کی، اس سے تو صحابہ اور خلفاء پر سخت الزام عائد ہوتا ہے۔ پھر یہ مضمون لاکھوں کے مجمع میں بیان کیا گیا جو اس وقت اس بیان سے مستفید ہو رہے تھے تو اب یہ سامعین ومستفیدینؒ بھی اس مضمون کو اسی انداز سے اور انہیں الفاظ سے نقل فرمائیں گے جس میں صحابہ وخلفاء پر الزام عائد ہوتا ہے۔

اس انداز کی باتیں جب بیان کی جاتی ہیں تو دوسرے ذمہ دار حضرات بھی اسی کے مشابہ مضامین بیان کرنے لگتے ہیں کیونکہ ذمہ دار کا اثر یقیناً ماتحتوں پر پڑتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے چند سال قبل کی بات ہے کہ مرکز کے بڑے ذمہ دار لکھنؤ مرکز تشریف لائے تھے، مرکز میں ان کا بیان تھا احقر بھی سننے والوں میں تھا، ان ذمہ دار صاحب نے دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور اس میں کوتاہی کے نقصان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''خلفاء راشدین کے بعد سے امت نے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جو کوتاہی کی ہے اس کا جو خسارہ وخمیازہ امت کو بھگتنا پڑا ہے، اور اس سے جو نقصانات ہوئے ہیں آج تک اس کی

تلافی نہیں ہوسکی‘‘ خلفاء راشدین کے بعد سے دعوت وتبلیغ میں کوتاہی کا دعویٰ کرنے میں تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین سب آجاتے ہیں، محمد بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہم سب ہی آجاتے ہیں، وہی ساری تقریر یہاں بھی سمجھنی چاہئے جو ماقبل میں گذری، اس وقت احقر عجلت میں تھا، احقر کی تحریک پر طلبہ نے ان ذمہ دار مبلغ صاحب سے سوالات کئے تھے، ان کو تنبہ ہوا، اور بعد فجر اپنے بیان میں معذرتی انداز میں وضاحت فرمائی کہ یہ میری مراد نہیں تھی لیکن مغرب کے بعد کا بڑا مجمع ان کی غیر ذمہ دارانہ بات کو سن کر منتشر ہو چکا تھا، جو ہر جگہ اس کو انہیں الفاظ میں نقل بھی کرے گا، اس وقت کے بیان سے جو نقصان ہوا اس کی تلافی بیشک اب تک نہیں ہوسکی۔ اور آنجناب کے بیان سے لوگوں کا جو ذہن بنا اس کی بھی تلافی آپ کو کرنی چاہئے۔

علمی استفادہ

اخیر میں آپ سے ایک علمی استفادہ بھی کرنا چاہتا ہوں، آنجناب نے اپنے بیان میں سنت کی تین قسمیں بیان فرمائی تھیں سنت عبادت، سنت دعوت، سنت عادت، پھر سنت عادت کے ضمن میں بطور مثال کے آپ نے مسواک کا تذکرہ فرمایا، اعظم گڑھ کے اجتماع میں علماء کے خصوصی بیان میں بھی اور ہتھورا اجتماع کے عمومی بیان میں بھی، استفادہ یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہ جو تقسیم وتشریح فرماتے ہیں اس کا ماخذ کیا ہے؟ یہ آپ کی جدید اصطلاح ہے یا کہیں سے ماخوذ ہے، عام طور پر تو فقہاء واصولیین نے سنت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، سنت عبادت، سنت عادت، بعض نے اسی کو سنن ہدیٰ وسنن زوائد سے تعبیر کیا ہے، آنجناب نے سنت عادت کے اختیار کرنے پر بھی بہت زور دیا، نیز سنت عادت کی مثال میں مسواک کو بھی ذکر فرمایا، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، سنت کی اقسام کے متعلق تفصیل اصول کی کتب مثلاً نورالانوار، حسامی وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

امدادالفتاویٰ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

سنت کی دو قسمیں ہیں، سنت عبادت، سنت عادت، مطلقاً سنت کا لفظ سنت عبادت پر

بولا جاتا ہے، اور ثواب کا وعدہ اور اس کی ترغیب اسی قسم سے متعلق ہے اور دوسری قسم یعنی سنت عادت بھی برکت سے خالی نہیں، نیز محبت کی دلیل ہے، لیکن دین کا جزء مقصود نہیں، اس کی وجہ سے اگر کسی کے مقاصدِ دین میں خلل پڑتا ہو تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا۔

(امدادالفتاویٰ ص:۲۲۹، ج:۴)

آنجناب نے سنت کی جو تقسیم تشریح اور مثال بیان فرمائی ہے اس کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اسی طرح اپنی معلومات کے لئے یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنجناب نے اپنے بعض بیانات میں طریق ولایت اور طریق نبوت کا فرق اجمالی طور پر ذکر فرمایا ہے، فرق نہیں بلکہ صرف تقسیم فرمائی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ طریقِ دعوت طریق نبوت ہے، طریق نبوت کو طریق ولایت پر ترجیح اور فوقیت دی ہے، لیکن طریق نبوت اور طریق ولایت کا فرق واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا، دونوں کا معیار کیا ہے؟ اور دونوں طریق میں بنیادی فرق کیا ہے؟ مجمل ومبہم بیان سے لوگ بڑی غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں، عام طور پر اس بیان سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ طریق ولایت صوفیوں کا طریقہ اور تزکیہ نفس کا طریقہ ہے، خانقاہوں میں مشائخ کا طریقۂ تربیت طریقۂ ولایت ہے اور خروج فی سبیل اللہ یعنی چل پھر کر دعوت دینا یہ طریقِ نبوت ہے، اس مجمل بیان سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، دریافت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بھی آنجناب کی اپنی اصطلاح ہے یا شراح حدیث اور اہل اصول سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے؟ اس کی تفصیل، ماخذ، دلیل مطلوب ہے، نیز دونوں کے مابین کیا فرق ہے اور کس بنیاد پر؟ جبکہ کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق ولایت اور طریق دعوت دونوں ہی طریق نبوت میں شامل ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اپنے مضمون میں اس کی صراحت فرمائی ہے، قرآن وحدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ طریقِ ولایت اور طریق نبوت سے جدا شئی نہیں ہے، تمام صحابہ داعی بھی تھے اور تزکیہ نفوس کے کام کو بھی انجام دیتے تھے، وہ سب طریق نبوت کے بھی حامل تھے اور طریق دعوت کے بھی، طریق ولایت سے مراد اگر خانقاہ میں یا کسی جگہ بیٹھ کر لوگوں کے باطن اور قلوب کا تزکیہ

کرنا ہے تو یہ بھی طریق نبوت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مستقر پر ہوتے تھے، وفود آتے تھے،، دین سیکھتے تھے، صحابہ اپنے روحانی امراض لے کر آتے اور علاج پوچھتے تھے، کسی نے کہا زنا کا تقاضہ ہوتا ہے، کسی نے شکایت کی کہ وساوس اور گندے خیالات بہت آتے ہیں، کسی نے نفاق کی شکایت، کسی نے دل کی سختی کا حال عرض کیا، کسی نے نصیحت کی درخواست کی، کسی نے ذکر پوچھا، آپ نے سب کو اس کی حالت کے موافق جوابات دیئے، اصلاح بھی فرمائی، نصیحت بھی کی، ذکر بھی بتلایا، کوئی نمازوں کے اوقات معلوم کرنے آیا، کوئی مسئلہ دریافت کرنے آیا آپ نے سب کا جواب دیا، یہی کام اگر اولیاء کرام اور مشائخ عظام اور مفتیان کرام اپنے اپنے مستقر پر رہ کر کریں تو یہ سب کار نبوت ہی ہے، اس کو کار نبوت کا قسیم یعنی بالمقابل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ امید ہے کہ مطمئن فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

آنجناب نے صبح کے بیان میں (ہتھورا باندہ میں) ارشاد فرمایا کہ اب ہمارے مطالعہ میں وہ کتابیں رہنے لگی ہیں، اور ایسی کتابوں کے مطالعہ کا مزاج بن رہا ہے جن کا دعوت وتبلیغ سے کوئی تعلق نہیں، اپنا مطالعہ محدود رکھو حضرت جیؒ کے بیانات میں اور مولانا الیاسؒ کے ملفوظات اور کتب فضائل وحیاۃ الصحابہ اور سیرت میں اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں، اپنا مطالعہ ان کتابوں میں محدود رکھو اس کے علاوہ کتابوں کا مطالعہ کرو گے تو کام کی سطح نیچے آئے گی، کام کرنے والوں کو اخبار نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ اخبار پڑھنے سے حکومتوں سے یقین پیدا ہوگا، اسی سیاق میں یہ بھی فرمایا کہ احکام کا علم مقصود نہیں علم سے تو فراغت ہو جائے گی، ایمان ویقین کی محنت سے فراغت نہیں، یہ کام زندگی بھر کرنا ہے۔

آنجناب کے اس فرمان عالی کا مطلب ہمارے تبلیغی بھائیوں نے یہ سمجھا کہ دعوتی وتبلیغی کام کرنے والوں کو صرف انہیں کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے اور بس، اس کے علاوہ اگر کتابوں کا مطالعہ شروع کرو گے تو یہ تمہارے تبلیغی کام کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اس سے کام کی سطح گر جائے گی، چنانچہ اس اہم تاکیدی نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تبلیغی حلقہ میں اس سارے علمی واصلاحی سواد جو قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات واحکام پر مشتمل ہے اس کے بھی مطالعہ کی ضرورت نہیں

سمجھی جاتی بلکہ کام کے لئے مضر سمجھی جاتی ہے، چنانچہ تبلیغی احباب کا اب یہی مزاج بن چکا ہے اور بن رہا ہے کہ وہ چند تبلیغی کتابوں کے علاوہ باقی دینی تمام کتابوں سے اپنے کو بالکل مستغنی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بات خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے فرمان کے مطابق دعوت وتبلیغ کے بنیادی مقاصد اور واضح ہدایات کے بھی خلاف ہے، کیونکہ حضرت مولاناؒ نے اپنے ملفوظات ومکتوبات میں بکثرت یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ہمارے کام کا مقصد ذکر، تعلیم وتبلیغ ہے۔

(مکاتیب ص:۱۳۸)

اور ظاہر ہے کہ دینی تعلیم اور جمیع ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم کا دائرہ بہت وسیع ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے، بقدر ضرورت دینی تعلیم اور جمیع ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم کا صحیح علم صرف ان کتابوں سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جن کی آپ نے تعیین اور نشاندہی فرمائی ہے، اس کے لئے لامحالہ دوسری کتابوں سے استفادہ یا علماء سے استفسار واستفتاء ضروری ہے، یعنی کتابوں سے استفادہ اور ان کا مطالعہ تعلّم دین ہی کا ذریعہ ہے جس کے بغیر ہماری تبلیغ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے کام کی سطح نیچے نہیں جائے گی بلکہ کام کی سطح کی تکمیل ہوگی۔ البتہ کتابوں کے مصنفین کی تعیین کہ کس مصنف کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اس میں تردد اور تشویش ہو سکتی تھی اس کو بھی حضرت مولانا الیاسؒ نے واضح طور سے فرمادیا کہ:

''حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو، کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی، حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے۔ (ملفوظات مولانا الیاسؒ ص:۵۸)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنے تبلیغی حضرات کے لئے ایک نصاب مقرر کرنے اور اس کے لئے اہل علم سے مشورہ کرنے کی ضرورت سمجھی، بلکہ اصحابہ تبلیغ کے لئے بعض کتابوں کی خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی کتابوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی ان کتابوں کا تنہا دیکھنا کافی نہیں ہو سکتا بلکہ مجمع میں سنانا بھی ضروری ہے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

علم کے لئے میرا جی چاہتا ہے کہ محکمۂ تبلیغ سے نصاب مقرر کیا جائے، اس سلسلہ کی ترقی پکڑ جانے پر آپ جیسے اہل علم کی ضرورت ہوگی، بالفعل میں نے نارسا طبیعت سے پانچ کتابیں تجویز کر رکھی ہیں۔

(۱) جزاء الاعمال (حضرت تھانویؒ) (۲) راہ نجات (۳) فضائل نماز، (۴) حکایات صحابہ، (۵) چہل حدیث، (مولوی زکریا شیخ الحدیث) ان کو تنہائی میں دیکھنا، مجمع میں سنانا دونوں مستقل جزء ہیں، صرف تنہائی میں دیکھنا مجمع میں سنانے کی برکات کو شامل نہیں ہوسکتا، اور مجمع میں سنانا تنہائی کے انوارات کو حاوی نہیں ہوسکتا۔ (مکاتیب ص:۲۸)

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرا جی چاہ رہا ہے کہ ایک نصاب مقرر ہو وہ ہر ہر شخص کے رگ وپے میں سما جائے، جس کو یوں جی چاہتا ہے کہ اگر ایک شخص پڑھا لکھا ہے اول تنہائی میں دیکھا کرے اور پھر سنایا کرے، اور اس میں جو اعمال ہوں اول ان پر اپنے کو جمانے کی کوشش کرے، اس کو مجمع میں پھیلاوے'' (آگے انہیں کتابوں کے نام تحریر فرمائے ہیں) (مکاتیب ص:۹۲)

ایک خط میں کارکنانِ تبلیغ کے لئے پندرہ ہدایتیں تحریر فرمائی ہیں جس میں نمبر ۹ کی ہدایت یہ ہے کہ: ''حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے، اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آئے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل۔ (مکاتیب ص:۱۳۸)

اپنے ملفوظات میں ارشاد فرماتے ہیں:

میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی (حضرت تھانویؒ کی) ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو، کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔ (ص:۵۸)

حضرت مولانا تھانویؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے واضح طور سے یہ فرمایا کہ ''میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑھانے، حضرت کے برکات سے استفادہ کرنے اور

ساتھ ہی حضرت کے ترقئ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیمات حقہ اور ہدایات (جو ان کی تصنیفات میں محفوظ ہیں ان) پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے'' (ملفوظات مولانا الیاس صاحبؒ ص:۶۹، ملفوظ:۷۵)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی اس وضاحت وصراحت اور جزاء الاعمال وراہ نجات جیسی کتابوں کی تعیین کے ساتھ مطالعہ کی تاکید کے بعد بھی کیا اس کی گنجائش نکلتی ہے کہ تبلیغی حضرات اپنا مطالعہ صرف حیاۃ الصحابہ وغیرہ تک محدود رکھیں ورنہ کام کی سطح نیچے گر جائے گی؟

آنجناب کی خدمت میں نہایت ادب سے ایک گذارش اور کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ماشاء اللہ اس وقت تبلیغی کام آپ کی سرپرستی میں چل رہا ہے، اور آپ تبلیغی ذمہ داروں کے بھی ذمہ دار ہیں، ان کے بیانات اور ان کی باتوں پر بھی آپ کی نظر اور گرفت ہونی چاہئے، ہمارے بہت سے پرانے اور تبلیغی ذمہ دار حضرات ایسی باتیں بیان فرمادیتے ہیں جو احتیاط کے یا واقع کے خلاف ہوتی ہیں اور پھر وہ چیزیں چل پڑتی ہیں بطور مثال کے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) باندہ ہتھورا کے تبلیغی اجتماع میں فجر کے بعد بمبئی کے امیر صاحب نے بیان فرمایا کہ: اذان تشکیل ہے، نماز ترغیب ہے کہ اس میں اللہ کے راستہ میں نکلنے کی ترغیبی مضامین کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور نماز کے بعد خروج فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ ترتیب ہے۔

اس نوع کے بیان کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ اصل مقصود خروج فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ ہے، اذان اور نماز بھی خروج فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کے لئے بمنزلہ وسائل کے ہے، گویا اذان ونماز بذات خود مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے۔

اسی انداز کی دوسرے ذمہ داروں نے بھی بات کہی کہ دعوت الی اللہ کی ترتیب وتشکیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز (عشاء کی نماز) کو دیر تک موخر کر دیا، اور اس سے بھی یہی نتیجہ نکالا گیا کہ دعوت الی اللہ ہی مقصود ہے، اور نماز کے مقابلہ میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

واضح رہے اسی کے مشابہ اور اسی نوع کی بعض باتیں علامہ مودودی صاحب نے بیان فرمائی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا عبادات اذان نماز وغیرہ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود بالغیر یعنی جہاد کی مشق اور ٹریننگ ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ بات بالکل واقع کے خلاف ہے ہمارے اکابر نے اس کا تعاقب کیا، رد لکھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' میں وسائل اور مقاصد کے کلیہ سے نقد کیا ہے اور گرفت فرمائی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص: ۸۲ وغیرہ)۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے تبلیغی حلقہ میں اسی نوع کی باتیں کہی جانے لگی ہیں جن کو لوگ نقل کرتے جاتے ہیں، طوالت کے خوف سے احقر نے پوری تفصیل نقل نہیں کی۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے کیا توحید وتوکل کے خلاف کام کیا؟

(۲) دوسری مثال: دہلی مرکز کے ایک ذمہ دار صاحب لکھنؤ تشریف لائے جمعرات کو بعد مغرب ان کا بیان تھا جس میں احقر موجود تھا، اپنے بیان میں انہوں نے توحید کامل اور غیر اللہ سے استعانت اور غیر اللہ کی طرف التفات کی مذمت وقباحت کو بیان کیا اور دلیل کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ذکر فرمایا کہ جیل خانہ میں دوسرے موجود قیدی سے انہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ بادشاہ سے میرا تذکرہ کردینا، **اذکرنی عند ربک فلبث فی السجن بضع سنین** ۔یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کہہ کر غیر اللہ کی طرف التفات کیا جس کے نتیجہ میں ان کو مزید سات سال جیل میں سڑنا پڑا (انتھی بلفظہ)

نبی کی شان میں ادنیٰ امتی کی طرف سے کتنی سخت بات ہے، علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کے ضمن میں اس مضمون کی روایت کو تردید کے واسطے نقل فرمایا ہے، اور نقل فرما کر سخت جرح فرمائی ہے کہ اس روایت میں ایک سے بڑھ کر ایک ضعیف، اضعف رواۃ موجود ہیں، یہ روایت ضعاف کا مجموعہ، اور منکر قطعاً ناقابل اعتبار ہے، (ابن کثیر ص: ۴۷۹، ج: ۲)

اور اپنی کتاب ''قصص الانبیاء'' میں یوسف علیہ السلام کے اسی قصہ کے ضمن میں واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل اور اس ارشاد سے تعاطی اسباب، یعنی

اسباب میں کوشش کرنے کا جواز ثابت ہوا، اور یہ کہ اس نوع کے اسباب اختیار کرنا یعنی اسباب کے درجہ میں غیر اللہ سے کہنا توکل کے منافی نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: **اذکرنی عند ربک یعنی اذکر امری وماانا فیہ من السجن بغیر جرم عند الملک وفی ھذا دلیل علی جواز السعی فی الاسباب ولاینافی ذلک التوکل علی رب الارباب۔** (قصص الانبیاء ص: ۲۲۹)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا کہ وہ بے قصور جیل میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لئے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں (معارف القرآن ص: ۱۵۵، ج: ۴، سورہ یوسف)

لیکن ہمارے تبلیغی ذمہ دار صاحب نے پوری قوت اور صراحت کے ساتھ ایسے انداز سے بیان فرمایا جس سے یوسف علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کہ نعوذ باللہ غیر اللہ کی طرف التفات کرکے انہوں نے کمال توحید یا توکل کے خلاف کام کیا، جس کے نتیجہ میں مزید سات سال جیل میں رہنا پڑا، جس کی حافظ ابن کثیرؒ نے پرزور تردید فرمائی ہے، پھر دوسرے حضرات نے مرکز کے بھرے مجمع نے اس مضمون کو سن کر اپنے اپنے موقعوں میں جاکر اس کو نقل کرنا شروع کردیا۔

بالفرض اسباب کے درجہ میں مخلوق سے کہنا اور التفات کرنا شان نبوت اور کمال توحید اور توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی ہے تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض غزوات، غزوہ حنین وغیرہ کے موقع پر جبکہ حالات بہت سنگین ہوگئے تھے، بھگدڑ مچ گئی تھی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمت واستقلال کے پہاڑ بنے ہوئے تھے اور اسباب ہی کے درجہ میں آپ نے اس وقت صحابہ کی مختلف جماعتوں اور متعدد افراد کو نام لے لے کر پکارا اور بلایا، چنانچہ صحابہ آئے اور پھر شکست فتح سے بدل گئی، اس وقت آپ نے فرمایا تھا'' **فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای عباس نادا اصحاب السرۃ** الخ (مسلم شریف، فتح الملہم ص: ۱۲۹)

تو اسباب کے درجہ میں مخلوق کے پکارنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی کیا یہی کہا جائے گا کہ آپ نے شانِ نبوت یا کمالِ توحید وتوکل کے اعلیٰ مقام کے خلاف کام کیا؟

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے بزرگ اور تبلیغی اکابر اپنے بیان میں غیر محتاط انداز اختیار کر جاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آنجناب نے بیان فرمایا جس سے ان کی شان میں گستاخی ہوتی ہے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کیا گیا جس میں یوسف علیہ السلام کی شان میں سخت گستاخی لازم آتی ہے، اسی کے مشابہ حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی درخت سے پناہ مانگی اور عتاب کے مستحق ہوئے، پھر یہ چیزیں عوام الناس میں پھیلتی جارہی ہیں اور انبیاء کی شان میں گستاخی کا دروازہ کھلا ہوا ہے لوگ اس میں داخل ہورہے ہیں، خدارا اس کی طرف توجہ فرمایئے اور اس دروازہ کو بند کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اپنی فضیلت بیان کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ آپ کا افضل الانبیاء ہونا مسلمات میں سے ہے لیکن تقابل کی صورت میں چونکہ دوسرے نبیوں کی تنقیص کا ایہام ہوتا ہے یا توہین لازم آتی ہے گو مقصود نہ بھی ہو اس لئے آپ نے اس ایہام سے بھی اپنی امت کو بچایا ہے جہاں اس کا احتمال اور خطرہ زیادہ تھا۔ چنانچہ تعیین کے ساتھ فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام، یونس علیہ السلام کے مقابلہ میں مجھ کو فوقیت اور فضیلت مت دو، **لا تفضلونی علی الانبیاء ، لاتخیرونی علی موسیٰ۔** یہ آپ کے ارشادات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی نبی کی تنقیص کے احتمال وایہام سے بھی امت کو بچایا ہے اور ہمارے بعض تبلیغی ذمہ دار حضرات اہتمام سے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس طرح کے واقعات ایسے انداز سے بیان فرماتے ہیں جس سے یقینی طور پر ان کی تنقیص لازم آتی ہے اور امت میں یہ چیزیں ''بڑوں'' کے واسطہ سے پھیل رہی ہیں۔

غور فرمایئے اس کا تدارک کس طرح ہوگا۔ فقط

محمد زید

۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳؍جنوری ۲۰۱۳ء

یہ امر بالکل دن کی طرح روشن ہے کہ ہماری کوئی حالت ہو، اس کے لئے شریعت نے مناسب اور ضروری تعلیم سے ہم کو آگاہ اور متنبہ فرمایا ہے اور ہمارا کوئی کام وعمل جب تک کہ شریعت مقدسہ پر منطبق نہ ہو درجۂ مقبولیت اور درگاہِ خداوندی کے قابل نہیں ہوسکتا۔ موجودہ زمانہ میں چونکہ عام طور پر یہ دیکھا جارہا ہے کہ بعض مسلمان تو نفسِ تبلیغ ہی کے منکر ہیں۔ اور دوسری طرف اتنی زیادتی ہوتی ہے کہ تبلیغ کے لئے اصول کا ہونا اور اس کے لئے علم کا ہونا ضروری خیال نہیں کرتے، جس کی وجہ سے کبھی تو احکام کی غلط تبلیغ کرتے ہیں اور کبھی نفس احکام تو صحیح ہوتے ہیں مگر اس کے ذرائع غیر منصوصہ اور غیر معتبر ہوتے ہیں جن کا غیر مقبول ہونا ظاہر ہے مگر اس کے باوجود اس پر بھی بس نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ اس طریق کو اختیار نہیں کرتے ان کو موردِ ملامت بنایا جاتا ہے۔

(القول البلیغ فی احکام التبلیغ، ماہنامہ الامداد بابت شعبان ۱۳۴۰ھ تھانہ بھون، از حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مفتی سابق مظاہر علوم سہارنپور)

کہتا ہوں میں کہ دین کی تبلیغ فرض ہے!

بالکل درست کہتے ہیں لیکن یہ عرض ہے

تبلیغ کا یہ حکم دیا کس نے آپ کو

بے حد ضروری بات ہے یہ پہلے صاف ہو

اللہ کے رسول تھے مامورِ حق جناب

جس کی گواہی دیتی ہے اللہ کی کتاب

اللہ کے رسولؐ نے اصحابؓ سے کہا

لوگوں کو دین حق یہ پہنچتا رہے سدا

چاہے وہ دین حق کی کوئی ایک بات ہو

ہرگز نہیں یہ فرض کہ وہ چھ ہی بات ہو

اللہ کے رسول، معلم تھے دین کے

حق کی طرف سے داعی تھے شرعِ متین کے

سیکھا کہاں ہے دین خدا آپ نے جناب؟

میرا سوال سن کے نہ ہوں آپ لاجواب

سننا میں چاہتا ہوں کہ استاد کون ہے؟

استاد گر ہیں آپ تو استاد کون ہے؟

تبلیغی نمبرات رسولِ خدا کے ہیں؟

یا یہ جہاں کے اور کسی رہنما کے ہیں؟

(حضرت ابوالقلم آلہ آبادیؒ)